ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

محمد سید علی
پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر عابد خورشید
اسسٹنٹ پروفیسر، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان
شازمہ زہرا
لیکچرار، گورنمنٹ گرلز ایسوسی ایٹ کالج، چوٹی زیریں، ڈیرہ غازی خان

انتظار حسین کا "آخری آدمی": تنقیدی مطالعہ

Muhammad Said Ali
PhD Research Scholar, Punjab University, Lahore
Dr. Abid Khurshid
Asst. Prof. Ghazi University, Dera Ghazi Khan
Shazma Zahra
Lecturer, Govt. Associate College for girls Choti Zareen, D.G Khan

Intizar Hussain's ''Aakri Aadmi'': Critical Study

Intizar Hussain is a well-known Urdu fiction writer. He made a name for himself in novel, short story writing, drama, travelogue, criticism, journalism, column writing, sketch writing and translation. He wrote 4 novels and 9 story books. He has chosen the local atmosphere of the suncontinent for the story writing instead of the West. "Aakhri Aadmi" is Intezar Hussain's third legendary collection. There are eleven stories in it. In which the colour of symbols, myths and ancient stories is prominent. This article is a critical study of the stories of this mythical collection.

Keywords: *Short Story, Allegory, Colonialism, Progressivism, Modernism, Symbolism, Abstraction.*

انتظار حسین ہمارے عہد کے بڑے افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ انہوں نے ڈرامہ، سفرنامہ، تنقید، صحافت، کالم نویسی، خاکہ نویسی اور ترجمہ نگاری میں بھی نام پیدا کیا۔ وہ ۲۱/ دسمبر ۱۹۲۵ء کو ڈِبائی ضلع بلند شہر، یوپی، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ [1] ۱۹۴۶ء میں میرٹھ کالج سے اُردو ادب میں ایم اے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کرنے کے بعد انتظار حسین ۱۹۴۷ء میں لاہور (نئے ملک پاکستان) ہجرت کر آئے۔[۲] انہوں نے صحافت کو بطور پیشہ اور قصہ کہانی کو بطور کام اپنایا۔انتظار حسین کے افسانوی مجموعوں میں"گلی کوچے"،"کنکری"، "آخری آدمی"، "شہرِ افسوس"، "کچھوے"، "خیمے سے دور"، "خالی پنجرہ"، "شہرزاد کے نام" اور "نئی پرانی کہانیاں"، جبکہ ناولوں میں "چاند گہن"، "دن اور داستان"،"بستی"، "تذکرہ/نیا گھر" اور "آگے سمندر ہے" شامل ہیں۔۱۹۸۲ء میں ناول "بستی" کو آدم جی ادبی ایوارڈ اور ۲۰۱۴ء میں فرانس کے ادبی انعام Order of the Arts and Letters سے بھی نوازا گیا۔[۳] ۲/ فروری ۲۱۰۶ء بروز پیر انتظار حسین اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔وہ لاہور کے فردوسیہ قبرستان میں آسودہ خاک ہیں۔[۴]

پہنچی کہیں پہ خاک ، کہیں کا خمیر تھا

اس مضمون کا مقصود انتظار حسین کے تیسرے افسانوی مجموعے "آخری آدمی" کا تنقیدی مطالعہ ہے۔پہلا افسانہ "آخری آدمی" انسان کی جون بدلنے اور بندر بن جانے سے متعلق اساطیری و علامتی کہانی ہے۔قصص الانبیاء کا وہ معروف قصہ کہ جس میں حضرت داؤدؑ کے زمانے کی بنی اسرائیل سبت(ہفتے) کے دن مچھلیاں پکڑنے سے روک دی گئی تھی، کہ ان کی ہوس نے آبی مخلوق کو ہلکان کر ڈالا تھا۔مگر وہ قوم باز نہ آئی اور ان میں سے کچھ نے اس سے متعلق تدبیریں کر لیں۔اور آخر وہ سب اپنے مکر کے انجام کو دیکھتے ہوئے بندر بن گئے۔اسی قرآنی واقعہ کو انتظار حسین نے اپنی اس کہانی میں الگ انداز سے اور بطورِ علامت دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

کیا یہ قوم صرف ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑنے کے جرم میں بندر بنی تھی یا اس کی کچھ اور بھی وجوہ تھیں۔وہ آخری آدمی "الیاسف" جس نے ہفتے کے دن مچھلیاں نہ پکڑی تھیں، جو 'سبت' کے دن مچھلیاں پکڑنے سے روکنے والے کا کہا مان گیا تھا۔کیا وہ بھی بندر بن جائے گا؟ آخر اس کے دل میں کس چیز کا کھٹکا تھا کہ وہ بھی آخر اپنے ہم جنسوں سے جا ملے گا۔اس نے کتنے جتن کیے کہ وہ آدمی کی جون میں پیدا ہوا ہے، آدمی ہی رہے اور آدمی ہی مرے۔اس نے ہر وہ حربہ کیا اور ہر اس عمل کو ترک کیا جس سے اس کے ہم جنس، اس کے ساتھی، ہمراہی اور سب بستی والے بندر بنے تھے۔اس نے ٹھٹھا، خوف، وحشت، نفرت، حقارت، محبت، غصہ، ہمدردی، ہنسنے، رونے الغرض جذبے کی ہر رو سے، اور تو اور اپنے ہم جنسوں تک سے کنارہ کر لیا، مبادا کہ بندر بن جائے۔مگر ایک غم پھر بھی اسے بہا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

لے گیا۔جب اس نے بندر بنے اپنے ہم جنسوں کو کلکاریوں، اٹھکیلیوں کے ساتھ لڑ جھگڑ کر لہو لہان ہوتے دیکھا اور سمجھانے کو ڈانٹا تو یہ جان کر غم و غصہ میں ڈوب گیا کہ ان میں لفظوں کی قدر جاتی رہی تھی۔وہ سب اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھے :

> "الیاسف نے افسوس کیا اپنے ہم جنسوں پر، اپنے آپ پر اور لفظ پر۔ افسوس ہے ان پر بوجہ اس کے کہ وہ لفظ سے محروم ہو گئے۔افسوس ہے مجھ پر بوجہ اس کے کہ لفظ میرے ہاتھوں میں خالی برتن کی مثال رہ گیا۔ اور سوچو تو آج بڑے افسوس کا دن ہے کہ آج لفظ مر گیا۔" (۵)

اور یہ غم اس کے جسم میں تبدیلی لانے لگا۔اسے لگا کہ وہ بھی بندر بن رہا ہے۔اس نے سوچا کہ میں نے ٹھٹھا نہیں کیا کہ دوسرے ٹھٹھا کرنے سے بندر بنے تھے۔میں نے خوف بھی نہیں کیا کہ ان میں سے بہت سے خوف کے سبب بندر بنے تھے۔اسی طرح کچھ وحشت، نفرت اور حقارت کے سبب اور کچھ محبت کے سبب جانور ہوئے تھے۔کیونکہ ہر ایک اپنے ہم جنسوں میں سے ٹھہرایا جاتا ہے۔ تو وہ بھی افسوس کیوں کروں۔مبادا کہ بندر ہو جائے۔اور یوں بھی اس نے اوروں کی طرح 'سبت' کے دن مچھلیاں بھی تو نہیں پکڑی تھیں۔تو کیا وہ ہفتے کے دن اپنی محبوب "بنت الاخضر" کی ہمراہی میں تھا؟ اگر نہیں تو مچھلیاں پکڑنے کے علاوہ وہ کیا کرتا رہا تھا؟ :

> "الیاسف نے کہ عقل کا پُتلا تھا سمندر سے فاصلے پر ایک گڑھا کھودا اور نالی کھود کر اسے سمندر سے ملایا اور سبت کے دن مچھلیاں سطح آب پر آئیں تو تیرتی ہوئی نالی کی راہ گڑھے میں نکل گئیں۔اور سبت کے دوسرے دن الیاسف نے گڑھے سے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔وہ شخص جو سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کرتا تھا یہ دیکھ کر بولا کہ تحقیق جس نے اللہ سے مکر کیا، اللہ اس سے مکر کرے گا۔اور بے شک اللہ زیادہ بڑا مکر کرنے والا ہے۔" (۶)

اور پھر الیاسف بھی مکر میں گھِر گیا۔زبردست مکر۔اسے پتا نہ چلتا تھا کہ اب تک وہ انسان ہی ہے کہ اس کی جون بدل گئی۔کہ اس کے بارے بتانے والے تو سبھی بستی میں رہ گئے تھے اور وہ اس

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

وحشت کو چھوڑ کر جنگل میں چلا آیا تھا۔اس نے اپنے معبود سے معافی مانگی، اپنی محبوب "بنت الاخضر" کو پکارا مگر لفظ الجھ گئے۔وہ لفظوں کی پہچان کھو بیٹھا۔ معنی گڈمڈ ہونے لگے۔اور پھر اچانک وہ شفاف پانی کو دیکھ کر چونکا:

> "یہ میں ہوں، اسے پانی میں اپنی صورت دکھائی دے رہی تھی۔اس کی چیخ نکل گئی۔اور الیاسف کو الیاسف کی چیخ نے آ لیا اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔۔۔ بھاگتے بھاگتے تلوے اس کے دکھنے لگے اور چپٹے ہونے لگے اور کمر اس کی درد کرنے لگی۔پر وہ بھاگتا رہا اور کمر کا درد بڑھتا گیا۔اور اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی دوہری ہوا چاہتی ہے اور وہ دفعتاً جھکا اور بے ساختہ اپنی ہتھیلیاں زمین پر ٹِکا دیں۔الیاسف نے جھک کر ہتھیلیاں زمین پر ٹِکا دیں اور بنت الاخضر کو سونگھتا ہوا چاروں ہاتھ پیروں کے بل تیر کے موافق چلا۔" (۷)

اور وہ آخری آدمی اندر اور باہر کی دوزخ، اندر اور باہر کے وسوسوں اور خوف کو مارنے کی حتی الوسع کوشش کرنے کے باوجود اپنی محبوب بنت الاخضر اور اپنے ہم جنسوں سے جا ملا۔کہ ہر ایک اپنے ہم جنسوں اور ہم اعمالوں کے ساتھ ہی ٹھہرتا ہے۔انسان کی لالچ، لاپرواہی، ہنسی، ٹھٹھا، خوف، وحشت، نفرت، حقارت، غم و غصہ اور یہاں تک کہ محبت بھی جب اپنی حدیں پار کرتی ہے اور ان سب میں مکر کی آمیزش اس کی جون بدل دیتی ہے۔تب وہ بندر تو ہوتا ہے یا زرد کتا یا مکھی یا کچھ اور۔ مگر انسان نہیں رہتا۔

"زرد کتا" انسان کے اندر پیدا ہونے والی خواہشاتِ نفسانی، لالچ، طمع، حسد، تکبر، سوال(بھیک)، ذخیرہ اندوزی، عیش و آرام، شباب و کباب، قبضہ و حکمرانی سے متعلق کہانی ہے۔انسانی نفس کے چار مدارج ہیں۔ نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ، نفسِ ملہمہ اور نفسِ مطمئنہ۔ آخرالذکر اسے فرشتوں سے بہتر اور افضل المخلوق بناتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کے مزید تین درجے راضیہ، مرضیہ اور کاملہ ہیں۔ یہ انبیا و معصومین اور اہلِ تقویٰ کے مدارج ہیں۔اگر پہلے پہل ہی خواہشاتِ نفسانی اور طمعِ دنیا انسان پر غالب آ جائے تو نفسِ امارہ (زرد کتا) کو تقویت ملتی ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہ کہانی شیخ عثمان اور اس کے پانچ شاگردوں سیّد رضی، ابو مسلم بغدادی، شیخ حمزہ، ابو جعفر شیرازی، حبیب بن یحییٰ ترمذی اور ابو قاسم خضری کی ہے۔ شاگردوں نے شیخ کے ملفوظات اور ان کی سیرت کو من و عن اپنایا۔ شیخ نے اپنے شاگردوں کو نفسِ امارہ سے دور رہنے، طمع دنیا سے پیچھا چھڑانے، علم کی توقیر کرنے، عالم اور شاعر کی بے توقیری سے بچنے اور دما دم عمل کا درس دیا۔ انہوں نے تلقین فرمائی کہ کبھی خود کو عالم نہ سمجھنا، چٹائی کی بجائے زمین پر سونا، سب سے گھٹیا لباس پہننا، گھر نہ بنانا، فساد نہ پھیلانا، مخلوق کے آگے دستِ سوال بلند نہ کرنا اور نہ ہی انہیں بے چین ہونے دینا۔

مگر شیخ کے مرنے کے بعد سبھی نے اس کی قبر کو کمائی کا ذریعہ بنا لیا۔ سونے اور جواہرات کا کاروبار کیا، تجارت اور عہدوں میں آسائش و آرام تلاش کیا۔ زرق برق لباس پہنے، عمدہ کھانا کھایا اور رقاصاؤں، باندیوں اور غلاموں سے لطف اٹھایا۔ الغرض عیش کا تمام تر سامان کر لیا۔ ابو قاسم خضری، جو اپنے شیخ کے وصال پر ایک عرصہ حجرہ سوگ میں رہا تھا، یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے شیخ کے شاگردوں کے آرام دہ بستر پر زرد کتے کو لیٹا دیکھا اور خوب گریا و ملامت کی۔ وہ سب گریہ کناں ہوئے اور خود کو ملامت کرنے لگے۔ مگر کوئی بھی نفسِ امارہ سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اُلٹا سبھی نے چاہا کہ ابو قاسم خضری کو بھی اپنا ساجھے دار بنا لیں۔ اس پر اس نے نفسِ امارہ والوں پر لعنت کی اور خود سے کہا:

> "ابے ابو قاسم خضری، یہاں سے چل کہ یہاں تیرے باہر اور اندر زرد کتے پیدا ہوگئے اور تیرا آرام چھِن گیا۔۔۔ رویا اور بکا کی کہ یا شیخ تیرا شہر چھتوں میں چھپ گیا اور آسمان دور ہو گیا اور تیرے رفیقانِ گریز پا تجھ سے پھِر گئے۔ انہوں نے لاشریک چھت کے مقابل اپنی اپنی چھتیں پاٹ لیں اور مٹی اور مٹی فصل پیدا کر دیا اور زرد کتے نے عزت پائی اور اشرف الخلق مٹی بن گیا اور مجھ پر تیرا شہر تنگ ہو گیا۔" (۸)

پھر شیخ کے ان چاروں شاگردوں کے عیش و آرام کے مقابلے میں ابو قاسم خضری کو بھی اپنی صعوبتیں، کٹھنائیاں اور فاقے ستانے لگے۔ اس کے منہ سے بھی لومڑی کا بچہ نکلا اور بڑا سا زرد کتا بن گیا۔ ابو قاسم نے اپنے اندر سے پھوٹے اس مکر بھرے زرد کتے سے بہت جنگ کی، مگر شیخ کے شاگردوں کے خوشبودار دستر خوان، آرام دہ محلوں، خوبصورت رقاصاؤں، خدمت گار کنیزوں غلاموں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

اور شیخ عثمان کے مزار پر ہونے والی زر و سیم کی بارش نے زرد کتے کو اور زیادہ فربہ کر دیا۔جب کہ اس کے سامنے ابو قاسم خضری شب زندہ دار اور روزہ دار بہت کمزور انسان تھا۔

"تب سے اب تک میری اور زرد کتے کی لڑائی چلی آتی ہے۔ کبھی زرد کتا مجھ پر اور کبھی میں زرد کتے پر غالب آ جاتا ہوں۔ کبھی وہ بڑا ہوتا چلا جاتا ہے اور میں گھٹے چلا جاتا ہوں اور مجھے مہکتے ہوئے مزعفر اور صندل کی تختی اور گول پیالے کا خیال ستانے لگتا ہے۔اور زرد کتا کہتا ہے کہ جب سب زرد کتے بن جائیں تو آدمی بنے رہنا کتے سے بدتر ہونا ہے۔اور میں فریاد کرتا ہوں کہ اے پالنے والے میں کب تک درختوں کے سائے میں بنی آدم سے دور دور پھروں اور کچے پکے پھلوں اور موٹے ٹاٹ کی گدڑی پر گزارہ کروں۔اور میرے قدم شہر کی طرف اٹھنے لگتے ہیں۔" (۹)

زرد کتا ہمارے آج کی، ماضی قریب کی اور ماضی بعید کی بھی، ہر دور کی کہانی ہے۔ یہ کہانی ہے بڑھتی خواہشاتِ انسانی کی۔ نفسِ امارہ کے انسان پر غالب آنے کی۔انسان کی اصل نے اسے طمع دنیا اور خواہشاتِ نفسانی سے دور ہونے کا درس دیا۔انسان اوّل اوّل تو اس پر قابو پاتا رہا مگر دنیا کی خواہشات نے مجبوری کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈالیں اور نفس نے لومڑی کی سی مکاری سے اس پر جال ڈالا اور زرد کتا اس پر غالب آ گیا۔ہر دور کا انسان، چاہے وہ آج کا انسان ہو یا صوفیا و اولیا کے زمانے کا، یہاں تک کے خود مصلحِ اعظم ﷺ کے دور کا انسان بھی۔اول اول سب نے نفسِ امارہ کو مارا، مگر لالچ نے اسے لومڑی کی شکل میں اور نت نئی تعویلات کے عکس میں پیدا کر دیا۔پھر اس لومڑی کے بچے کو فربہ 'زرد کتا' ہوتے دیر نہ لگی۔اسی کو حضرتِ اقبال نے کچھ یوں سمجھایا ہے :

عرب خود را بہ نورِ مصطفی سوخت　　چراغِ مردہئ مشرق بر افروخت
و لیکن آں خلافت راہ گم کرد　　کہ اوّل مومنان را شاہی آموخت (۱۰)

لیکن اگر انسان چاہے تو ریاضت اور مجاہدہ سے نفسِ امارہ کو نفسِ لوامہ میں بدل سکتا ہے۔ نفسِ لوامہ باطن کا درجہ ہے یعنی انسانی ضمیر کی آواز۔اور ضمیر ہمیشہ انسان کو باطل کو چھوڑنے، حق کا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ساتھ دینے، انسانیت کو اپنانے کا مشورہ دیتا ہے۔ قرآن نے اسی نفس کی تعریف کی ہے اور رب نے اسے اپنی قسم سے اعتبار بخشا ہے: وَلَا أُقسِمُ بِالنَّفسِ اللَّوَّامۃ (۱۱)

اس افسانے کا مرکزی کردار ابو قاسم خضری بھی نفسِ لوامہ کے درجے پر ہے۔اگرچہ دنیا اور دنیادار اسے مفلس کا حق غصب کرنے اور انسانیت کی لاش پر رقص کرنے کی بھرپور دعوت دیتے ہیں۔ مگر اس کا ضمیر آج بھی ملامت کرتا ہے۔وہ اسے باطل کی طرف نہیں جانے دیتا۔اسی لیے وہ حق سے رحم کی استدعا کرتا رہتا ہے۔نفسِ لوامہ اسے ابھی زرد کتا، بندر اور مکھی بننے سے بچائے ہوئے ہے۔

افسانہ "پرچھائیں" ایک علامتی کہانی ہے۔جس میں ایک انسان اپنے سائے (پرچھائی) سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔افسانے کا مرکزی کردار حسن ایک دن کسی ہوٹل میں اپنا ہم شکل اور ہم نام دیکھ لیتا ہے۔ پھر اسے ماں اور دوستوں سے پتا چلتا ہے کہ کوئی اسے پرسوں سے ڈھونڈتے ہوئے گھر اور کالج تک آیا تھا۔مگر اچنبھے کی بات یہ ہے کہ کسی کو بھی نہ تو اس اجنبی کا نام یاد تھا اور نہ ہی شکل۔حسن خوف اور حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کا وہی ہم شکل، ہم نام ہی تو اسے نہیں ڈھونڈ رہا؟ چنانچہ وہ ان ادھوری نشانیوں پر اسے ڈھونڈنے نکل پڑتا ہے۔مگر جب وہ ناکام پلٹ رہا ہوتا ہے تو گہری رات میں ڈوبی سنسان سڑک پر لگے بجلی کے کھمبے اسے گھیر لیتے ہیں۔سڑک کے دونوں جانب نصب روشنی کے قمقموں کی وجہ سے، اس کے اپنے ہی جسم کے ڈھیروں سائے مختلف زاویوں سے پھوٹ پڑتے ہیں۔وہ ڈھیر ساری بڑی چھوٹی، بڑھتی گھٹتی پرچھائیوں میں گھِر جاتا ہے۔

> "کیا ان پرچھائیوں کی قید سے رہائی ممکن نہیں؟ اور اس نے سڑک سے ہٹ کر کھمبوں کے پرے پرے چلنا شروع کر دیا۔ میں اندھیرے میں چلوں گا کہ اندھیرے میں آدمی سے سایہ جدا ہو جاتا ہے۔۔۔ میں بھٹکتی پرچھائیوں کے قافلے میں سے ایک بھٹکتی پرچھائیں۔میں کس وہم کی سوچ میں ہوں؟ میں ہوں! ہر چند کہ ہوں، نہیں ہوں..." (۱۲)

پھر وہ اپنے بہت سے سوالوں میں گھِر کر یادوں کے خوفناک ساغر میں غوطے کھانے لگا۔وہ بھُتنے کی کہانی، سائے کا گھٹنا بڑھنا، لاحول اور قُل کا ورد، مولود شریف۔اسے کچھ لمحوں کے لیے اردگرد سے سکون تو نصیب ہوتا ہے مگر ناہنجار یادیں بچھڑے ہوؤں تک لے گئیں۔انتظار حسین نے یہاں ملک

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی تقسیم، ہجرت اور کھوئے ہوؤں کے دکھ کو افلاطون کی مشہور تمثیل "Allegory of the Cave" [۱۳]کی مدد سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے :

> "ایک دیوار بھڑکتی آگ کے غار کے آگے ہے۔ اس پر زنجیروں سے جکڑے ہوئے غلاموں کی پرچھائیاں چل رہی ہیں۔ اور اے عزیز تو مڑ کر نہیں دیکھ سکتا۔ پس تو نہ بھڑکتی آگ کو دیکھ سکتا ہے نہ مقید غلاموں کو دیکھ سکتا ہے۔ تو ساری عمر اس آگ کا عکس اور اس عکس میں رینگتی ہوئی پرچھائیاں دیکھے گا..." [۱۴]

ایک سچ وہ ہے جو ہم غار کے قیدی آگ کی وجہ سے دیوار پر بنتے سایوں سے اخذ کر رہے ہیں۔ جبکہ دوسرا سچ وہ ہے جو غار کے باہر موجود ہے۔ سچ، ان پرچھائیوں سے کہیں پرے ہے۔ افلاطون نے بھی اسی سچ کا ساتھ دیا تھا۔ مگر انتظار حسین کا کہنا ہے کہ ہم چاہ کر بھی اس سچ کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس بھڑکتی آگ اور ان مقیّد غلاموں سے متعلق سچ کو دیکھنے کی بجائے ہمیں حکم ہے کہ ساری عمر صرف 'اس آگ کا عکس اور اس میں رینگتی ہو ئی پرچھائیاں' دیکھیں۔ بھید، واہمے، اندھیرے اجالے کا خوف، حیرت، خود کی تلاش، کھوئے ہوؤں کی جستجو، اپنی ہی پرچھائی سے پیچھا چھڑانے کا عمل، پیچھے چھوٹ جانے والوں کا دکھ، اپنی جان بچ جانے کی خوف بھری تسلی، سوچ اور سوال کی جکڑ بندیاں اس افسانے کا علامتی جہان بناتی ہیں۔

یہ افسانہ بٹوارے کے بعد انسان کے اندر بلکنے والے ڈھیروں سوالوں پر سوالیہ نشان ہے۔ تقسیم کے بعد مہاجرین کا سب سے بڑا مسئلہ شناخت ہی تھا۔ وہ اپنی پہچان بنا سکتے تھے اُس دھرتی کو بھول کر، جو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اپنے لوگوں کی یادوں کو مٹا کر، اُن ساری محبتوں کو تیاگ کر، اپنے سائے تک سے پیچھا چھڑا کر۔ اور یہ سب ممکن تھا روشنی(حقیقت) سے پرے اندھیروں میں چلنے سے۔ کہ اندھیرے میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے اور ایک کو دوسرا پہچان بھی نہیں پاتا۔

"ہڈیوں کا ڈھانچ" بھوک، افلاس، رزق کی کمی، ناامیدی، لالچ، قحط سالی اور حلال و حرام کی تمیز کے خاتمے اور بدلتی جون پر لکھا گیا علامتی افسانہ ہے۔ شہر میں اتنا سخت قحط پڑا کہ چیل، کوے، کتے اور بلیاں تک کم پڑ گئے۔ اور پھر ایک دن قحط سے مر جانے والا ہڈیوں کا ڈھانچ شخص زندہ ہو گیا۔ اور

کھانا مانگنے لگا۔ وہ سبھی گھروں سے روٹیاں بٹورتا اور خوب کھاتا۔ پھر ایک دن جب اس نے کتے کے منہ سے بھی مانس چھین لیا تو لوگ اس حلال حرام کی تمیز نہ کرنے والے نجس آدمی سے اپنا کھانا چھپانے لگے۔ کھانے کی کمی کے احساس نے ان میں بھی بھوک بڑھا دی۔ پھر مر کے جی اٹھنے والا ہڈیوں کا ڈھانچ تو بھوک سے مر گیا مگر قحط میں اضافہ ہو گیا۔ قحط زدہ سنیاسیوں، درندوں کی طرح چیر پھاڑ کر اور بے تحاشا کھانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ کہانی کا مرکزی کردار اور وہ آخری شخص بھی درندوں کی طرح پھاڑ کر بے تحاشا کھانے والوں میں شامل ہو گیا۔ اور پھر اس آخری آدمی پر بھی کالا کتا بھونکنے لگا۔ مگر پھر اچانک کتا غائب ہو گیا اور نانبائی کی ہانڈی میں تازہ مانس کی خوشبو آنے لگی۔ وہ سوچنے لگا:

> "وہ کتا مجھے دیکھ کر عجیب طرح سے غرایا تھا۔ وہ کتا کتا نہیں تھا یا میں...
> اور وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ میں کون ہوں؟ کیا مَیں، مَیں ہی ہوں؟ اسے
> ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ آنے لگا۔ پھر اسے لگا کہ وہ ہڈیوں کا ڈھانچ رہ گیا ہے۔ اور
> ٹانگیں لمبی لمبی ہو گئی ہیں۔ اور بے تحاشا بھوک لگنے لگی ہے۔" (۱۵)

وہ شخص جو مر کر جی اٹھا تھا، وہ شخص جو جیتے جی مر گیا تھا، وہ شخص جو مر کر بھی نہ مرا تھا، مادر زاد برہنہ سر کٹا شخص اور وہ آخری شخص، سبھی زبردست قحط، بھوک، افلاس، رزق کی کمی اور حلال و حرام میں بے تمیزی کے سبب بے تحاشا کھانے والے درندے بن چکے تھے۔ قحط ہو، خشک سالی ہو یا ہریالی، انسان جب تک بانٹ کے کھاتا ہے تب تک اس کا رزق اور زندگی کی برکت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، مگر جب وہ بھوک و افلاس سے ڈھانچہ ہو جانے والے غریب اور مفلس و نادار کو اپنے رزق میں کمی کر دینے والا جانتا ہے تو اس میں لالچ اور بھوک درندگی کی حد تک بڑھ جاتی ہے۔ پھر سبزیوں، پھلوں اور پھولوں کی مہک اور زبان کا ذائقہ اُڑ جاتا ہے۔ اور انسان اپنے پیٹ کے دوزخ کو بے تحاشا خوراک سے بھرنے والا درندہ بن جاتا ہے۔ جس کا پیٹ شاید بھر بھی جائے مگر آنکھیں کبھی سیر نہیں ہو پاتیں۔

"ہمسفر" ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جو بھولے سے غلط بس میں سوار ہو گیا ہے۔ یہ بس جو اس کے مطابق غلط راستے پر اور دوسرے مسافروں کے مطابق ٹھیک راستے پر رواں دواں ہے۔ اس کے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہمسفر، اس کے ساتھ سفر کرنے کے باوجود، اس کے ہمسفر نہیں ہیں۔بس میں تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ مگر پھر وہ سارے پسینے میں شرابور مسافر، جو ذرا سی جگہ کے لیے ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے، لڑ رہے تھے، اپنے اپنے سٹاپ پر اترتے گئے اور بس خالی ہوتی گئی۔اب آخری سٹاپ پہ وہ اور باقی بچے مسافر بھی اترنے والے ہیں۔افسانے میں بس کو زندگی سے جوڑتے ہوئے انسان کی بے ثباتی سے متعلق بنیادی سوال کیے گئے ہیں۔

"کایا کلپ" انسان کی لالچ، لذت اور آرام طلبی کی وجہ سے اپنی جُون بدلنے کی کہانی ہے۔ شہزادہ آزاد بخت شہزادی کو سفید دیو کی قید سے چھڑانے کے لیے دیوک قلعے جا پہنچا ہے۔جہاں شام ہوتے ہی شہزادی اسے طاقتور دیو سے بچانے کے لیے منتر پڑھ کر مکھی بنا دیتی ہے۔شہزادہ بہادر اور شجیع جنگجو تھا۔اس کے آبا و اجداد کی فتوحات کے کارنامے ملکوں ملکوں پھیلے ہوئے تھے۔وہ بڑے سے بڑے دیو کی گردن توڑ سکتا تھا۔مگر شہزادی نے اسے سمجھایا کہ دیو کی جان سات سمندر پار ایک طوطے میں ہے۔تو پہلے تم دیو کے باغات کے پھل کھاؤ اور دستر خوان کے لذیذ کھانوں سے سات سمندر پار جانے کی طاقت جُٹاؤ۔اور یوں ابھی کچھ دن میرے وصل کے مزے بھی لے لو۔اب شہزادہ دن کو دیو کے باغات اور دستر خوان کی مکھی بن جاتا اور رات کو شہزادی کے منتر سے سچ مچ مکھی بن جاتا۔یوں طاقتور دیو سے بھی بچ جاتا۔پھر ہر صبح شام آدمی سے مکھی اور مکھی سے آدمی بننے کی اذیت نے اس میں کئی سوال پیدا کر دیے۔وہ آدمی ہے کہ مکھی؟ اس کا اصل کیا ہے اور بہروپ کیا؟ شاید وہ پہلے مکھی تھا۔پھر آدمی ہوا۔اور اب دوبارہ اپنی جُون میں واپس لوٹ رہا ہے۔اب شہزادے کے لیے مکھی بننا آسان اور دوبارہ آدمی بننا تکلیف دہ ہو گیا تھا۔اسے مکھی ہونے میں راحت تھی۔چنانچہ ایک شام جب دیو کو انسان کی خوشبو نہ آئی تو شہزادی حیران ہوئی :

> "آج کیا ہوا کہ میں نے اسے مکھی نہیں بنایا۔مگر دیو پھر بھی مانس گند، مانس گند نہیں چلایا۔شہزادہ آزاد بخت کی آدمی والی بو کیا ہوئی۔۔۔کیسے شہزادہ خود ہی مکھی بن گیا۔پھر اس نے اس پر اپنا منتر پڑھ کر پھونکا کہ وہ مکھی سے آدمی بن جائے، پر اس کے منتر نے آج کچھ اثر نہ کیا، شہزادہ آزاد بخت نے اس روز مکھی کی جون میں صبح کی۔" (۱۶)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

جب انسان آرام طلبی، لالچ اور شراب وکباب میں پڑ جاتا ہے تو اس کی شجاعت، بہادری اور ہماہمی جاتی رہتی ہے۔ آرام طلبی اس کی کایا کلپ کر دیتی ہے۔ پھر وہ کچھ اور تو ہو سکتا ہے اپنے اجداد کا غیرت مند وارث نہیں۔ برِصغیر کے لوگوں بالخصوص مغلوں کی بھی کچھ یہی حالت تھی۔ آرام طلبی، شراب و کباب اور عیش و عشرت نے انہیں قلعے میں محصور کر دیا تھا۔ وہ اپنے شجیع آبا و اجداد کو پسِ پشت ڈال اور اپنا ماضی بھُلا، فقط دستر خوان اور قلعے کی مکھیاں بن کر رہ گئے تھے۔ کبھی کبھار انہیں خود سے گھِن بھی آتی مگر دیو استبداد سے لڑنے کی کٹھنائیاں کون سہتا۔ اور یوں بھی ان میں طاقت کہاں بچی تھی۔ اندر کی مکھی نے انہیں چاٹ لیا تھا۔ ہر ملک اور ہر پیشوا جب دستر خوان اور قلعے کی مکھی بنتا ہے تو عیش و عشرت کے بدلے مہم جوئی اور جنگ کی کٹھنائیوں کا خوف اسے آرام دہ جُون پر راضی کر لیتا ہے۔ اور انجامِ کار اس کی بھی مکھی یا کسی کم تر قالب میں کایا کلپ ہو جاتی ہے۔

"ٹانگیں" انسان کے اندر اٹھنے والے وسوسوں، شکوک و شبہات اور سوالوں پر مشتمل طویل مختصر کہانی ہے۔ لاہور شہر کا ایک تانگے والا 'یاسین' جو اپنی سواری سیّد صاحب کو لیے اچھرہ کی طرف جا رہا ہے۔ یاسین، سیّد صاحب کو بتاتا ہے کہ اس کو جوانی میں اس کا سامنا کیسے کیسوں سے ہوا۔ مڑے پیروں والی چڑیلوں، بکرے کی ٹانگوں والے بھوتوں، بیسواؤں، دلالوں، دلالوں کی تلاش میں سرگرداں گاہکوں، نقاب پوشوں، پہچان چھپانے والوں، دن دیہاڑے لوٹ بھاگنے والوں اور نا جانے کیسے کیسوں سے۔ یاسین ہر کسی کو تو شک بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے خود کو اور اپنی سواری سیّد صاحب کو بھی شک کے اس پُراسرار دائرے سے نہ نکالا تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ آدمی سچ میں کیا ہے، کیا پتا؟ بس عورت کے پاؤں اور مرد کی ٹانگوں پر دھیان دو۔ کیا خبر چڑیل ہو کہ بھُتنا:

> "صاب، بُرا زمانہ آ گیا' اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور پھر بولنے لگا 'کسی کا کوئی اعتبار نہیں، نہ مرد کا نہ عورت کا، جس عورت کو دیکھو پچھل پائی اور یہ سالا مرد، سب سالوں کی ٹانگیں بکروں کی ہو گئی ہیں۔" (۱۷)

پھر جب وہ تانگے سے اتر اپنے گھر کی طرف آ رہا تھا تو کتنے سوالوں، کتنے وسوسوں اور کتنے شبہات نے اسے گھیر لیا تھا۔ آس پاس کا ویرانہ، خاموشی کی آواز، گلی کے کتے کا غُرّانا، کمرے کی بلی کا ڈر کر بھاگنا سبھی اس کے شک کو تقویت دے رہے تھے۔ اور جب وہ کپڑے بدل رہا تھا تو اسے اپنی ننگی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ٹانگیں بکرے کی ٹانگوں کی طرح لگیں۔ شکوک و شبہات، وسوسے اور اپنے باطن کے بارے اٹھنے والے گمبھیر سوال بھی انسان کی جُون بدل دیتے ہیں۔

"سیکنڈ راؤنڈ" تین دوستوں طاہر، مسعود اور رضا کی کہانی ہے۔ انڈیا پاکستان میں جنگ ہونے کا خدشہ ہے اور جب کہ ان دنوں لاہور شہر میں ڈھیروں شادیاں ہو رہی ہیں۔ تینوں دوست چائے والے مولوی اور خواجہ صاحب سے جنگ ہونے یا نہ ہونے پر مکالمہ کر رہے ہیں۔ مگر جنگ جیتے گا کون اور کس طور ہونی چاہیے کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔ اس دوران مسعود طاہر کو یاد دلاتا ہے کہ اس کی محبوبہ بھی تو لندن جا رہی ہے۔ مگر وہ اسے ٹال کر جنگ کی بات جاری رکھتا ہے۔ لیکن مسعود کو یقین ہے کہ محبت سیکنڈ راؤنڈ ضرور لے گی۔ عشق کی جنگ یوں ہی ختم نہیں ہو سکتی کہ :

> "یار بات یہ ہے کہ عشق ختم کرنے کو تو کر دو۔ مگر اس کے بعد یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کریں۔ علاقہ فتح ہو جائے تو بہت سی الجھنیں مصروف رکھنے کے لیے پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن علاقہ بھی فتح نہ ہو اور جنگ بھی ختم ہو جائے یہ بہت بے لطفی کی بات ہے۔ تو ہمارے بڑے ابا نے دیوانِ حافظ سے صحیح فال نکالی ہے کہ جنگ ہوگی۔' مسعود زور سے ہنسا اور خاموش ہو گیا۔" (۱۸)

"سوئیاں" انسان کی مایوسیوں، آزادی، اختیار و بے اختیاری، تجسس، سوال، جاننے کی خواہش، ڈر اور جکڑ بندیوں سے متعلق دیو مالائی اور علامتی کہانی ہے۔ شہزادی گلشن خوبی کو اداس دیکھ کر دیو اسے سات کوٹھڑیوں کی چابیاں دے دیتا ہے۔ وہ شہزادی کو چھ کوٹھڑیوں کی نعمات سے لطف اٹھانے، مگر ساتویں کوٹھڑی کو نہ کھولنے کی تنبیہ کرتا ہے۔ مگر ڈھیر سارے سوالوں اور تجسس کے ہاتھوں مجبور شہزادی جب ساتویں کوٹھڑی کا تالا کھول لیتی ہے تو اس میں ایک شہزادے کو سوئیوں سے جکڑا دیکھتی ہے۔ شہزادی اس نیم مردہ شہزادے کے جسم سے ساری سوئیاں نکال دیتی ہے۔ مگر جب دماغ میں اٹکی آخری سوئی نکالنے کا وقت آیا تو شہزادی کو دوبارہ وسوسوں اور ڈر نے گھیر لیا۔ وہ اختیار و بے اختیاری میں الجھ کے رہ گئی :

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"جی بُری بلا ہے جس بات کو منع کرو اسی پر ٹوٹ کے آتا ہے۔اور دماغ کی اوبڑ کھابڑ چال ہے کہ جس رستے کو بند کرو اسی پر چلتا ہے اور آنکھ کا عجب طور ہے کہ جو اوجھل ہے اسی کو دیکھنے کی منتظر رہتی ہے۔۔۔ اس نے بیدار ہوتے اجنبی کو ڈری ڈری نظروں سے دیکھا اور اپنے کھلتے ہوئے آپے پر غور کیا اور اس نے تشویش سے سوچا کہ وہ دماغ میں پھنسی سوئی کو نکالے یا نہ نکالے۔۔۔ عین اس گھڑی قلعہ کے در و دیوار کانپے اور دیو گرجتا دہاڑتا قلعہ میں داخل ہوا۔اس نے شہزادی کو ساتویں کوٹھڑی کھولنے کی سزا یہ دی کہ اس پر نوکوڑی بانس برسائے چابیوں کا گچھا اس سے چھینا اور ساتوں کوٹھڑیاں بند کر گرجتا برستا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔" (۱۹)

ہمارے معاشرے کی عورت بھی عین مین شہزادی گلشن خوبی کی طرح ہے۔وہ اپنی ڈھیر ساری خوبیوں اور خواہشات کو دبائے اوّل تو اپنے دیو کی کوٹھڑی میں قید رہتی ہے۔لیکن کبھی اگر دیو اس پہ ترس کھا کے اختیار کا گچھا تھما بھی دے تو وہ اپنی بے اختیاری تک جا پہنچتی ہے۔اب یہاں اس کا سامنا تجسس اور کرید سے بھی زیادہ طاقتور شے ڈر سے ہوتا ہے۔اگر وہ ڈر کی منزل پھلانگ جائے تو شہزادہ اس کا۔اور اگر وہ پھر وسوسوں میں گھِر جائے تو تاخیر کی دلدل میں دھنس جاتی ہے۔پھر خوفناک دیو خبر لگتے ہی گرجتا برستا آتا ہے اور نہ صرف دیے گئے اختیار چھین لیتا ہے بلکہ شہزادی کو دوبارہ بند کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا ہے۔اور شاید اب کی بار گھٹ گھٹ کر مرنے تک کے لیے۔افسانے میں داستان کی قدیم علامتوں کو نئے معنی پہنائے گئے ہیں۔

"شہادت" کہانی ہے اپنے حق کی، اپنے نام اور اپنے ہونے کی گواہی کی۔دہلی کے ایک کالج میں پڑھنے والا مسلمان لڑکا، جو ایک بس میں سوار ہے۔ہندو مسلم دنگوں کا زور ہے۔وہ بس میں بیٹھے لوگوں سے اپنی پہچان چھپاتا ہے۔اپنا نام بتانا اور یہ ظاہر کرنا کہ وہ مسلمان ہے شاید اس کے لیے خطرے کا باعث ہو۔یوں بھی اسلام میں تقیہ جائز اور خود کشی حرام ہے۔اپنے ہونے کی شہادت دینا اور نام بتانا، اسے دشمنوں کے گھیرے میں کلمہ پڑھنے اور انالحق کی صدا بلند کرنے جیسا لگا۔اُسے یاد آیا کہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ایک دن کربلا میں امامِ عالی مقامؑ کو بھی وہ شخص اسی مصلحت کے تحت چھوڑ گیا تھا۔ وہ شخص تاریخ جس کا نام نہیں بتاتی :

> "پس جب آپ نے چراغ دوبارہ جلایا تو کائنات کی ترتیب بدل چکی تھی اور سپاہ میں سے ایک کم ہو گیا تھا۔ وہ ایک جس نے شہادت سے گریز کیا اور کائنات کو بدلنے سے ڈر گیا۔ تو وہ ایک جس نے کائنات کو درہم نہ کرنے کی نیت سے درہم کیا، کون تھا؟ کہاں سے آیا؟ کہاں گیا؟ کون تھا کہ اس کے گریز کو سب نے جانا اس کا نام کوئی نہ جان سکا۔۔۔ 'وائے ہو تم پر اہلِ دمشق کہ تم مجھ سے بھی گذرے۔ تم نے حق کو نیزے پر بلند دیکھا اور تم نے حق کی شہادت نہ دی۔' اس پر سر سب کے جھک گئے۔ اور جب انہوں نے اس پر غور کیا تو وہ رو پڑے..." (۲۰)

مگر ایک ظالم کیونکر دوسرے ظالموں کو ملامت کر سکتا ہے، وائے کہہ سکتا ہے؟ شاید اس لیے کہ فرد کے مقابلے میں ہجوم نے بھی خوف پکڑا۔ ظالم کا ساتھ دیا اور حق کی شہادت سے پھِر گیا۔ اور پھر جب اس کہانی کا مرکزی کردار بس سے اُترا اور اس کے دوست نے اس کا نام پکارا تو اسے کیوں سنائی نہ دیا؟ شاید وہ اپنا نام بھول چکا تھا۔ یا شاید اپنی پہچان بھی۔ انسان جب اپنے حق اور اپنے ہونے کی شہادت نہیں دیتا تو اس کا خمیازہ نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے اور پھر تاریخ اور معاشرہ سب اس کا نام بھول جاتے ہیں۔ جو انسان حق و صداقت کی شہادت دیتا ہے وہ شاید نہ رہے مگر اس کا نام ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اور اس کی آئندہ نسلیں بقائے دوام پاتی ہیں۔ اور یہ معاملہ صرف فرد کا نہیں، قوم بھی یا تو یاد رکھی جاتی ہے یا پھر ہجوم بن کر بھلا دی جاتی ہے۔ اسی لیے ایک منادی نِدا دیتا رہتا ہے :

دو حق و صداقت کی شہادت سرِ مقتل اٹھو کہ یہی وقت کا فرمانِ جلی ہے (۲۱)

افسانہ "سوت کے تار" برِصغیر کی آزادی کے خواب اور اس کی بھیانک تعبیر، ہجرت و فسادات سے متعلق ہے۔ شہزادہ، شہزادی جس کے جسم سے سِوائے ایک کے سبھی سوئیاں نکال چکی تھی، ایک دن دیو کی قید سے نکل بھاگا۔ مگر اس نے آزادی کو عجب پایا۔ دنیا بدل چکی تھی۔ ہر طرف گاڑیوں کا شور اور چکا چوند روشنیاں اور ایک طرف دور تک پھیلی مہاجر بستیاں۔ ان مہاجر کیمپوں کی حالت ابتر تھی۔ اپنی دھرتی کو چھوڑ آنے والے سبھی بوڑھے تھے۔ جوان بیٹوں کو مار دیا گیا تھا اور جوان بیٹیوں کو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

استعمال کر لیا گیا تھا۔اور اب تو بٹوارہ مزید فساد چاہتا تھا۔دونوں ملک ایک دوسرے کو آنکھیں دکھا رہے تھے اور جنگ کے لیے بلا رہے تھے۔یہ دیکھ شہزادے کی آنکھیں پانی کی طرح بہنے لگیں اور صرف خالی ڈھیلے رہ گئے۔یہاں تک کہ لوگ سیز فائر سے بھی ناخوش تھے۔کیا یہی وہ آزادی تھی، کہ جس کے لیے اجداد نے قربانیاں دی تھیں۔کیا دھرتی ماں نے تب بھی اسی کی خاطر بیٹے گنوائے تھے اور اب بھی گنوانے کو تیار تھی؟ جانے کیوں ماؤں نے اپنے کاتے ہوئے سوت کے تار اُدھیڑ دیے۔اور نابینا شہزادہ غم سے لبریز ان مقدس آیات کو یاد کرتا ہے :

> "اور تم اس عورت کی مانند مت ہو جانا جو اپنے کاتے ہوئے سوت کو مضبوط ہو جانے کے بعد تار تار کر دیا کرتی تھی۔۔۔اسیروں میں سے وہ لوگ جو بچ گئے وہاں کے صوبے میں ذلت اٹھاتے ہیں۔۔۔میں کیوں اداس نہ ہوں جب کہ وہ شہر جہاں میرے باپ دادوں کی قبر گاہ ہے اجاڑ پڑا ہے اور اس کے پھاٹک آگ سے بھسم کیے گئے ہیں۔۔۔ وہ لوگ جو تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیا کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔اور اگر تم سچے ہو تو مرنے کی آرزو کرو۔" (۲۲)

وہ تو سمجھا تھا کہ بس ایک ہی سوئی تھی جو اٹکی رہ گئی۔مگر اس کے اندر تو ڈھیروں سوئیاں تھیں، ڈھیروں سوال جو لا تعداد سوئیوں کی طرح چبھنے لگے تھے۔دماغ میں رینگتی ہوئی کنسلائیاں۔وہ انہیں آخر کہاں تک برداشت کر سکتا تھا۔اسے پلٹنا پڑا۔دیو کا قلعہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور رات کی خوفناکی چھا چکی تھی، جب وہ ڈھیروں سوئیوں سمیت آ لیٹا اور آنکھیں بند کرتے ہی مر گیا۔آزادی کے اس خواب کی تعبیر بہت بھیانک تھی۔

انتظار حسین اپنے ہر افسانے میں اتنے زاویوں سے بات کرتا ہے کہ تنقید کرنے والا ان میں سے بہت سے زاویوں پر بات کرنے کے باوجود کچھ چھوڑ جاتا ہے۔اور ہو سکتا ہے کہ کوئی انہی باتوں کو لے کر الگ تجزیہ کرے۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہے، انتظار حسین نے جو بات کی اسے تو آپ نے بیان ہی نہیں کیا۔وہ تو چھوٹ گئی آپ سے۔بلکہ وہ اصل میں کیا کہنا چاہتا تھا وہ تو آپ سمجھ ہی نہیں پائے۔

انتظار حسین کا اُسلوب جناتی، معجزاتی اور ملکوتی ہے۔وہ آپ کو اپنے سحر میں باندھ لیتا ہے۔ کہانی سے کہیں زیادہ، کہہ سنانے کا ڈھنگ آپ کو جکڑ لیتا ہے۔یہ کہنے کا انداز ہی ہے جو اُن کی بہت سی کم درجہ کی کہانیوں کو اعلیٰ درجہ کی کہانیوں میں لا کھڑا کرتا ہے۔ان کی کہانی دیگر کہانی کاروں کے برعکس مغرب کی بجائے خالص ہندوستانی دیو مالا اور پُرانوں کی کہانی ہے اور اس کا اُسلوب خالص عورت کا اسلوب ہے۔اس لیے انتظار حسین اسے اپنی نانی اماں کی کہانی بتاتے ہیں۔دلی اور لکھنؤ کی قدیم نانی دادیوں کی کہانیوں اور انہی کا سا اندازِ بیان اور مثالیں اور الفاظ بھی انہی کے سے لاتے ہیں۔یہی ان کی کہانی کی خوبی ہے اور یہی خوبی انہیں افسانہ نگاروں کی اس لمبی قطار میں ممتاز کرتی ہے۔

انتظار حسین کے افسانوں کی زبان داستانوں کی ہے۔اساطیر و حکایات، قرآنی قصوں، دیو مالا اور انّا بوا کی کہانیوں کو علامتی رنگ پہنایا گیا ہے۔یوں قدیم قصے کہانیوں کو خیال کی رو اور مختلف تکنیکوں سے جدید دور مطابق نئے معنی پہنائے گئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر،انتظار حسین۔ایک دبستان،دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء،ص ۱۲۲

۲۔ آصف فرخی، ڈاکٹر،انتظار حسین: شخصیت اور فن،اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء،ص۱۴

۳۔ آصف فرّخی،ڈاکٹر،چراغِ شبِ افسانہ۔انتظار حسین کا جہانِ فن،لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص۴۰۸

۴۔ ایضاً، ص ۴۷

۵۔ انتظار حسین، آخری آدمی، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء، ص ۲۵

۶۔ ایضاً، ص ۲۶، ۲۷

۷۔ ایضاً، ص ۲۸

۸۔ ایضاً، ص ۴۱

۹۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۰۔ اقبالؔ،کلیاتِ اقبال-فارسی،لاہور: اقبال اکادمی، پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص۴۰۹

۱۱۔القرآن الکریم، سورۃ قیٰمۃ، آیت ۲، سیپارہ ۲۹،لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، ص ۵۲۴

۱۲۔انتظار حسین، آخری آدمی، ص۵۳، ۵۴، ۵۵

13. Frederick Copleston -A History of Philosophy, Volume.1-Aflaton, Canada: Continuum doubleday, Paulist press, US & Canada,1946,Page 41.

۱۴۔انتظار حسین، آخری آدمی، ص ۵۵

۱۵۔ایضاً، ص ۶۹

۱۶۔ایضاً، ص ۹۱

۱۷۔ایضاً، ص ۱۰۳

۱۸۔ایضاً، ص ۱۲۰

۱۹۔ایضاً، ص ۱۲۵، ۱۲۷

۲۰۔ایضاً، ص ۱۳۳، ۱۳۴

۲۱۔نصراللہ خان، نوابزادہ، نوابزادہ نصراللہ خان کی آپ بیتی، کیلی فورنیا: دی یونیورسٹی آف کیلی فورنیا، ۱۹۸۸ء، ص ۱۹۱

۲۲۔انتظار حسین، آخری آدمی، ص ۱۴۱، ۱۴۲